ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 6, Issue 4, (Oct to Dec 2025)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-IV)urdu-05

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

**ڈاکٹر عظمیٰ نورین**

لیکچرار، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ ۔

**ڈاکٹر اقصیٰ نسیم سندھو**

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی، بہاولپور۔

# اردو غزل اور نئے تقاضے: ایک تجزیہ

**Dr. Uzma Noreen ***
Lecturer G.C Women University Sialkot.
**Dr. Aqsa Naseem Sindhu**
Assistant Professor Department of Urdu, Government Sadiq College Women University Bahawalpur.

***Corresponding Author:** draqsa.naseem@gscwu.edu.pk

## Urdu Ghazals and New Requirements: An Analysis

Ghazal is a classical traditional genre, it has been influenced by modernity, but not in the way that novels, short stories and poems have been. Nevertheless, if we study this genre in depth, the ghazal created before the Second World War in response to the capitalist system, the ghazal written artificially in the sixties under the influence of the modernist movement, and the naturally modern ghazal sung in the last quarter of a century, all three experiences seem different. The ghazal that is being sung in Urdu today is naturally compatible with modern life in every respect, in its vocabulary, metaphors and symbols, and subject and thought. The era of modernity in Pakistani society is the present, therefore, modern ghazals in the true sense have been being written since the last quarter of a century. Our naive critics who are looking for post-modernity in Urdu are just like we were looking for modernity in the sixties. This is a needle in a haystack, and as a result, when they look for postmodernism in a work of art, the work of art does not confirm it because it is entirely a product of the effects of postmodernism.

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 6, Issue 4, (Oct to Dec 2025)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-IV)urdu-05

ماخذ تحقیقی مجلہ

**Key Words:** *Ghazal, classical traditional genre, Nevertheless, capitalist system, modernity, metaphors and symbols, postmodernism.*

اگر ہم اردو غزل کی روایت پر نظر ڈالیں تو یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اس کو نیا لہجہ، نئ آہنگ، سیاسی اور سماجی شعور ادبی تحریکات نے دیا۔ جس طرح ترقی پسندوں نے کلاسیکی علامات کو نئے معانی دیئے۔ انھیں نیا بانکپن عطا کیا۔ ساتھ ساتھ معاشرتی کجیوں اور کوتاہیوں کے خلاف باغیانہ روش دی۔ یہ رویہ اردو غزل میں پہلے کبھی نہیں تھا۔ آج کی غزل میں جو تیکھا پن اور طنزیہ لہجہ ملتا ہے وہ کلاسیکی شاعری میں پہلے کبھی نہ تھا۔ اردو غزل کے وہ روایتی ولن (Villan) جو پہلے ہوتے تھے آج کہاں ملتے ہیں۔ ہاں البتہ یہ ہے کہ ہمارے ارد گرد ایسے بہت سے کردار موجود ہیں جو روایت سے ہٹ کر وہی کردار ادا کرتے نظر آرہے ہیں جو روایتی غزل میں ادا کرتے رہے ہیں۔ آج کے انسان کے سامنے نئے نئے جہاں اور نئے سائل کا طوفان سامنے نظر آتا ہے اور آج کی غزل اُسی روپ میں ایک نئ اُمنگ کے ساتھ اپنے رنگ بکھیرتی نظر آرہی ہے۔ آج کا شاعر روایتی مظاہر سے بہت آگے بڑھ چکا ہے۔ قیس، کویاں، گل و بلبل، طور و موسیٰ کا ذکر اب کم سے کم ہو چکا ہے۔ آج کل نئے استعارے اور نئے رمز و کنایے استعمال میں آرہے ہیں۔ آج کا شاعر فکر و فن کے حوالے سے بہت آگے جا چکا ہے۔ آج کے شاعر میں جرأتِ اظہار کے نئے نئے پیرائے ہیں۔ آج کے شاعر کے لہجے میں لجاجت کی بجائے باغیانہ پن پایا جاتا ہے۔ آج کے شاعر کے پاس جھنجھلاہٹ کی بجائے تند و تیز لہجہ ہے۔ وہ ذات اور کائنات کے رشتوں کی تاثیر سے نئے نئے جہاں متعارف کروانے کے فن سے واقف ہے۔ وہ ذات کی قید سے نکل کر آفاقیت کے افق کی طرف رواں دواں ہے۔ اُسے یہ بھی پتا ہے کہ آج کی جدوجہد پہلے سے زیادہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ آج کل کے چیلنجز زیادہ ہیں۔ آج کے شاعر وجہد و کشاکش سے وجود میں آنے والی اداسیوں اور کامرانیوں نے باخبر کر دیا ہے۔ گزشتہ ستر برسوں میں غزل نے تہذیب کے کئ پرت بدلے ہیں جس کی زد میں صدیوں پرانے ڈھانچے مٹ چکے ہیں۔ اقدار اور آدرش نے جس طرح قصیدے کو قصہ پارینہ بنا دیا ہے اسی طرح رویوں کو نئ سمتوں سے آشنائی مل رہی ہے۔ مثنوی اور دیگر کئ اصناف میں طبع آزمائیاں کم سے کم ہو رہی ہیں۔ ساتھ ساتھ تنقید نے بھی ان سانچوں کو توڑ ڈالا ہے جن پر نقاد جان دیتے تھے۔ نئ سمت کی تلاش نے شاعری اور نثر کے امکانات کی تلاش ممکن بنا دی ہے۔ آج کی جدید دنیا میں روایتی شاعری کے مضامین سے غزل نے جان چھڑا دی ہے۔ امکانات کو وسیع تر دائرے کے اندر ڈھالنے کے نت نئے طریقے متعارف ہو چکے ہیں۔

کسی بھی زبان میں نئے تجربات کی گونج اُس میں نئ تازگی اور بانکپن کو فروغ دیتی ہے۔ نئے فنی تقاضے وجود میں آچکے ہیں۔ لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ ان سارے تجربات کے پیچھے ایک دو صاحبان نہیں بلکہ پورے کے پورے ادبی

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 4, (Oct to Dec 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-IV)urdu-05

ماخذ تحقیقی مجلہ

حلقے کی مدتوں کی ریاضتوں کا ہاتھ ہے۔ ہر صنف اپنے منطقی پیرائے میں گردش کرتی ہے۔ جس کے تحت تجربات کی جہت اور نوعیت سامنے آتی ہے۔

اردو غزل فارسی کی تقلید کی وجہ سے صدیوں پرانی روایتوں کی امین تھی لیکن اس نے ان روایات سے انحراف کیا تو آزاد غزل اور اینٹی غزل جیسی نئی اصطلاحات وجود میں آئیں۔ غزل کی روایت کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس میں نفسیاتی فضا بھی ہے جو زمان و مکان کی آزمائشوں سے گزر کر مضبوط تر ہوتی جاتی ہے۔ آج کا قاری بھی تخلیق کی کمیوں اور کوتاہیوں پر کھل کر تنقید کر رہا ہے۔ آج کے قاری کو غزل کے تمام تقاضوں سے آگاہی حاصل ہے۔ غزل کی اندرونی وسعتوں اور گہرائیوں سے یہ حلقہ پوری طرح واقف ہے۔ غزل کے اشعار کے زیر و بم کی مکمل تفہیم کر سکتا ہے۔ مغربی یلغار اور میڈیا کی جنگ نے معنویت اور افادیت کے نئے نئے پیرائے متعارف کروائے ہیں۔ نئے نئے تجربات کی گنجائش نے غزل کی پوری تاریخ ہی بدل کر رکھ دی ہے۔ اس کا علاماتی اور استعاراتی نظام وسعتیں حاصل کر رہا ہے۔ اس حوالے سے ایک اقتباس قابلِ توجہ ہے:

"اس (غزل) کا علامتی اور استعاراتی نظام ہر زمانے کے شعور کی سطح کے مطابق وسعتیں حاصل کرتا رہا ہے۔ تشبیہات، استعارات اور تلمیحات کا ورثہ بھی جو ہمارے ہاں فارسی آیا جامد نہیں رہا۔ وہ الفاظ جو ابتداً داخلی انسانی کیفیات اور زیادہ تر حسن و عشق کے معاملات اور عام دنیوی رنج و راحت کا اظہار کے لیے استعمال ہوتے تھے، تصوف کے زیرِ اثر ایک سے زیادہ معنوی جہتوں کے ساتھ پہلے سے ہی موجود تھے۔ وہ انیسویں صدی کے آخر تک ایک نئے احساس کے اظہار کا ذریعہ بننے لگے تھے۔ جس وقت یہ کہا گیا۔

چیخ اٹھتے ہیں تماشہ اس چمن کا دیکھ کر
نالۂ بے اختیار بلبل نالاں ہیں ہم (۱)

اسی طرح ایک جگہ اقبال بھی یوں رقم طراز ہیں:

اسی چمن میں پیر و بلبل سے نا تمیزِ گل
یا سراپا نالہ بن جا یا نوا بیدار کر
نگاہ عشق دل زندہ کی تلاش میں ہے
شکار مردہ سزا وار شاہباز نہیں (۲)

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
**Volume 6, Issue 4, (Oct to Dec 2025)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-IV)urdu-05



یہی وجہ ہے کہ مختلف شعرا کے ہاں نئی فکری اور جذباتی فضا کے اثرات ملتے ہیں۔ مروجہ معنوی ڈھانچے یکسر تبدیل ہوتے گئے۔ مجازؔ، جذبیؔ، مجروحؔ، فیضؔ اور دیگر ترقی پسندوں نے ترقی پسندانہ جوش و خروش سے اپنے عہد کی ناانصافیوں کو اپنی غزل میں بے دھڑک بیان کیا۔ اس طرح سماجی ناانصافی کے خلاف یوں صف آرا ہوئے:

دسے صیاد بھی عاجز ہے کف گلچیں بھی
بوئے گل ٹھہری ہے یہ بلبل کی زبان ٹھہری ہے
روک سکتا ہمیں زندان بلا کیا مجروح
ہم تو آواز ہیں دیوار سے چھن جاتے ہیں
ہم سے فرعون کے لہجے میں کبھی بات نہ کر
ہم تو پاگل ہیں خداؤں سے الجھ جاتے ہیں (۳)

آزادی کا سورج طلوع ہوا تو کلاسیکیت اور رومانیت کے اعلیٰ پیمانے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکے تھے۔ ماضی کو یکسر بھلانے کی کوشش جاری تھی۔ نئے پیمانے اور نئی منزلیں سامنے تھیں۔ پہلے کے معروف شعرا کے ہاں بھی نئی علامتوں اور استعاروں کا چلن شروع ہو چکا تھا۔ دیہاتوں اور بیابانوں کی بجائے پُر ہجوم شہر میں انسان تنہائی کا شکار تھا۔ خوابوں کا ٹوٹنا اور گھر سے بے دخل ہونا، اڈتی ہوئی بھیڑ میں انسان کی اجنبیت، تنہائی کا عذاب، اداسی کی نئی تعبیریں۔ الغرض یہ سب نئی غزل کے استعارے بن چکے تھے۔ اس بھیڑ میں نئی نئی چیزیں منظر عام پر آنے لگیں تھیں۔ بہر حال نئی غزل کے نمائندہ شعرا میں اپنی انفرادیت قائم رکھنے والوں میں عرفان صدیقی، زیب غوری، مجید علوی، مظہر امام، محمود سعیدی، شجاع خاور اور ندا فاضلی نے نئی غزل میں اپنی ایک پہچان بنائی۔ اس کی چند مثالیں دیکھیں:

شائستہ محفلوں کی ہواؤں میں زہر تھا
زندہ بچے ہیں ذہن کی آوارگی سے ہم (۴)
تمام خلق خدا اس جگہ رکی ہے کیوں
یہاں سے آگے کوئی راستہ نہیں ہے کیا
اب ہواؤں سے کیا گلہ کیجیے (۵)
خاک ہے در بدر تو ہو گی ہی

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 6, Issue 4, (Oct to Dec 2025)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-IV)urdu-05



ایک جھونکا ہوا کا آیا زیب (۶)
اور پھر میں غبار بھی نہ رہا

سبھی اپنے اپنے جہازوں میں گم
سبھی اپنے ہونے پہ مغموم تھے (۷)

گرتی ہوئی دیوار کو سب دیکھ رہے تھے
اس شہر میں کچھ اور تماشا بھی نہ تھا (۸)(۹)

اوپر کی مثالیں دیکھیں۔ ان میں آپ کو ایک نیا لہجہ اور نیا آہنگ محسوس ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہماری غزل نے قارئین و سامعین کے بدلتے ہوئے رویوں کی نفسیات کو سمجھ لیا تھا۔ پس دو یار ان کے لہجے محسوس کیے جا رہے تھے۔ ان کے ہاں نئے احساسات کی بازگشت کو محسوس کیا جا رہا تھا۔ جذبات و احساسات کے نئے جہاں متعارف ہو چکے تھے۔ آج کل تیکھے لہجے میں نجی احساسات و جذبات کی نئی نئی دنیائیں سامنے آ رہی ہیں۔ طنز کے پہلو میں میٹھی چھری کا تجربہ ایک نئی علامت بن چکا ہے۔ کوئی اپنے آپ پر ہنس رہا ہے تو کسی کو اپنے رونے سے فرصت نہیں۔ یہ مثالیں دیکھیں:

ہم صوفیوں کا دونوں طرف سے زیاں ہوا
عرفان ذات بھی نہ ہوا رات بھی گئی (۱۰)

کس لیے باغ لگائے ہیں صف آراؤں نے
اگ سے بچ نکل جانے کا امکان ہے کیا
(۱۱)

اس کے باوجود جدید غزل کے شعرا نے اپنی روایت سے رشتہ منقطع نہیں کیا بلکہ اظہار کے نئے پہلو اور نئی نئی ردیفیں اور قوافی کے ذریعے معانی اور تلازمات کو دریافت کیا گیا۔ جس سے غزل کے میدان میں نئی وسعتیں حاصل ہو رہی ہیں۔ اب غزل میں روایتی لکھنوی اور دہلوی انداز موجود نہیں بلکہ روایتوں کے حوالے سے نئے جذبات و احساسات کی ایک نئی دنیا آباد ہے۔ ساتھ ساتھ نئے نئے علاقائی لہجوں اور حشر سامانیوں نے جدید غزل کو نئی

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 6, Issue 4, (Oct to Dec 2025)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-IV)urdu-05
ماخذ تحقیقی مجلہ

راہوں پر ڈال دیا۔ نئے الفاظ، محاورے اور نئی کہاوتیں زبان میں آ رہی ہیں جن سے نئے معنی اور مفاہیم حاصل ہو رہے ہیں۔

آج کی غزل کی زبان پہلے سے زیادہ تیکھی اور کھلی ہوئی ہے۔ ذخیرہ الفاظ میں عربی، فارسی اور ہندی کے علاوہ دیگر زبانوں نے نئی جان ڈال دی ہے۔ نئی زبانوں سے واقفیت نے بھی غزل گوؤں کی شعری تخلیقات میں نئی جان ڈال دی ہے۔ اس حوالے سے ظفر اقبال اور شجاع خاور کے ہاں یہ پہلو زیادہ قابلِ ذکر ہیں۔ ان شعرا کے ہاں براہِ راست لہجے کا رجحان قوی ہے۔ وہ اپنی بات دوٹوک اور بلا مبالغہ قارئین تک پہنچا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل مبالغے کی بجائے حقیقت پر مبنی جذبات و احساسات کی ترویج ممکن ہو سکتی ہے۔ اس کا نقصان یہ بھی ہوا کہ بعض اوقات حقیقت نگاری کی آڑ میں کھردرا انداز بھی نمایاں ہونے لگا ہے۔ کیوں کہ روایتی غزل جیسی تھی، تھی لیکن اس میں میٹھی زبان، ملائم انداز اور دھیمے لہجے نے اُس کے حسن کو چار چاند لگائے تھے۔ آج شائستگی اور شگفتگی کے وہ زاویے ناپید ہوتے جا رہے ہیں۔ آج کا غزل گو زندگی کو بے ہنگم اور برہنہ سچائیوں کو مخملیں غلاف میں لپیٹنے کی بجائے اُسی طرح پیش کر رہا ہوں۔ آج تلخ اور ناگوار بات کو بلا روک ٹوک کہنے کا رجحان زور پکڑتا جا رہا ہے۔ اگرچہ اس سے حقیقت نگاری کو فروغ حاصل ہو رہا ہے مگر برداشت اور حوصلے کی کمی کی وجہ سے قاری بھی خوف کا شکار ہو رہا ہے۔ اس کے ذہن میں غزل کے وہ روایتی ڈھانچے ابھی تک قائم ہیں۔ ایسے میں وہ اس طرح کے کھردرے لہجے اور ناگوار بات کو کیسے برداشت کر سکتا ہے بہر حال آج کی غزل میں چونکا دینے والا انداز زیادہ نمایاں ہے۔ دیکھیں یہ اشعار:

لوگ ہر شخص کو اپنے ہی یہ کرتے ہیں قیاس
میں جب آسودہ نہیں تھا تو پریشان تھا بہت
کائنات اور ذات میں کچھ چل رہی ہے آض کل
جب سے اندر شور ہے باہر ہے سناٹا بہت (۱۲)

یہ کہہ دینا کہ ان سے کچھ گلہ شکوہ نہیں مجھ کو
مگر کچھ لوگ یونہی بے سبب اچھے نہیں لگتے (۱۳)

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 4, (Oct to Dec 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-IV)urdu-05
ماخذ تحقیقی مجلہ

حسن و عاشقی کے معاملات تو غزل کی جان ہوا کرتے تھے اور اس کے بغیر غزل کا وہ رنگ و آہنگ ہی نہیں بنتا تھا۔ جیسے غالبؔ کہتے ہیں:

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے (۱۴)

بہر حال وہی عشق آج بھی غزل میں اپنا رنگ دکھا رہا ہے اور اس کا لازمی جزو بنا ہوا ہے۔ عشق کے جذبات و احساسات میں جا خالص اور رومان پر و جذبات و احساسات کا گداز ہوتا تھا۔ وہ آج کل کے عشق میں کہاں۔ آج کل کی زندگی میں انسانی رشتوں کی پیچیدگیاں اس قدر گہری ہو گئی ہیں کہ اب نظارہ بس چلن اور جلوہ بالائے بام اب قصہ پارینہ بن چکے یں۔ بلکہ ہماری نئی غزل آج کی زندگی کی رعنائیوں کے اظہار میں زیادہ بے باک اور بے تکلف ہے۔ اس کے اشعار میں اب تکلف کی بجائے وہ بے تکلفی اور بے ساختگی ہے کہ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب ہماری غزل نئے دور کے تقاضوں کے مطابق خود کو ڈھال رہی ہے۔ اقبالؔ سے لے کر حالیؔ، حسرتؔ موہانی، فراق گورکھپوریؔ، اختر شیرانیؔ، جوشؔ ملیح آبادی، فیض احمد فیضؔ، میر نیازیؔ، جگرؔ مراد آبادی، فانیؔ بدیوانی، شاد" عظیم آبادی، اصغر گوند، یاس یگانہ چنگیزی، شاہد جمیل، کوثر مظہری، اسلم بدر، ارشد کمال اور حبیب جالب تک ایک طویل فہرست ہے جو ہماری مثالوں کے لیے کافی ہے۔ یہاں ہم یہ بحث حبیب جالبؔ کے مشہور اشعار پر ختم کرتے ہیں:

تم سے پہلے جو اک شخص یہاں تخت نشین تھا
اُس کو بھی اپنے خدا پہ اتنا ہی یقین تھا

حبیب جالبؔ کا ایک اور شعر یوں ہے:

کچھ اور بھی ہیں کام ہمیں اے غم جاناں
کب تک کوئی الجھی ہوئی زلفوں کو سنوارے (۱۵)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
**Volume 6, Issue 4, (Oct to Dec 2025)**
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-IV)urdu-05

ماخذ تحقیقی مجلّہ

## حوالہ جات


۱۔ صدیق الرحمان قدوائی، ادب، ثقافت اور دانشوری، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، دہلی، ۲۰۰۷ء، ص ۱۰۷

۲۔ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۹ء، ص ۲۹۷

۳۔ مجروح سلطان پوری، کلیات، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، دہلی، ۱۹۸۷ء، ص ۳۱۰

۴۔ ندا فاضلی، کلیات، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، دہلی،، ۲۰۰۰ء، ص ۶۷

۵۔ شہریار، کلیات شہریار، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، دہلی، ۱۹۸۰ء، ص ۷۹

۶۔ عرفان صدیقی، دریا، علم و عرفان پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۱۷۹

۷۔ زیب غوری، کلیات، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، دہلی، ۱۹۹۹ء، ص ۱۱۰

۸۔ محمد علوی، کلیات، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنو، ۱۹۹۵ء، ص ۹۷

۹۔ مظہر امام، کلیات، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنو، ۲۰۰۰ء، ص ۳۰۹

۱۰۔ شجاع خاور، کلیات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۱۳۱

۱۱۔ مجروح سلطان پوری، ایضاً، ص ۱۵۵

۱۲۔ ایضاً، ص ۵۱۳

۱۳۔ شمیم حنفی، کلیات شمیم حنفی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۲۲۰

۱۴۔ اسد اللہ خان غالب، دیوانِ غالب، فضلی سنز، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۸۷

۱۵۔ حبیب جالبؔ، کلیات حبیب جالب، علم و عرفان پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۵۵۱